سیکولرازم اور اسلام

از: پروفیسر شبیر احمد جامعی و راشدہ فردوس
شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سیکولرازم لاطینی لفظ Saecularies سے مشتق ہے، اسکا معنی ہے دنیاوی Worldly، عارضی temporal اور قدیم age old، سیکولر Secular اول معنوں میں طویل زمانے اور بے قاعدگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قدیم روم میں کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر بہت لمبی مدت کے بعد منعقد ہونے والا میلہ یا کھیلیں سیکولر گیمز کہلاتی ہیں۔ اسی سے متعلق لکھی اور گائی جانی والی سیکولر حمد پانچ سو سال تک زندہ رہنے والا مالائی پرندہ ققنس phoenix سیکولر برڈ کہلاتا ہے۔ زمین کے گرم مائع حالت سے ٹھنڈا ہو کر ٹھوس شکل اختیار کرنے کے زمانے اور عمل کرنے کو سیکولر کولنگ کہا جاتا ہے۔ چھوٹے عیسائی حلقے اور کل وقتی کے بجائے جز وقتی پیشوائی کرنے والے پادریوں کے لیے سیکولر پادری کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔زمانی، دنیاوی، غیر روحانی اور لادینی کے معنوں میں آتا ہے۔ تعلیم اور دیگر معاملات کا دینی کے بجائے دنیاوی انداز اور ضرورتوں کے مطابق برتاؤ، نیز مذہبی تعلیم کے مخالف اور مذہبی عقائد کے مشکک کو بھی سیکولر کہتے ہیں[1]۔

اصطلاحی معنوں میں یہ ایک ایسا نظریہ اور عمل ہے جس میں اشیاء اور انسان کو صرف دنیا کی قلمرو تک محدود رکھا جاتا ہے۔ اردو میں ہم سیکولرازم کو دنیا پسندی کہہ سکتے ہیں۔

جدید دور میں کچھ مفکرین secularism اور secularization میں فرق کرتے ہیں۔ سیکولرازم کو جھوٹی آئیڈلوجی کہا گیا ہے۔ جب کہ انگریزی بولنے والی دنیا میں secularization سولہویں صدی کے اس تاریخی استبداد کے لیے استعمال ہوتا ہے جسکے تحت ہنری ہشتم نے خانقاہوں کو ضبط کرلیا تھا۔ ہر دور میں ایسے فرد، گروہ یا حکومت کا وجود رہتا ہے۔ بہر حال سیکولرازم اور سیکولرائزیشن میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ دونوں کو آئیڈیالوجی کہہ سکتے ہیں [2]۔

سیکولرازم کا نشو و ارتقاء

انیسویں صدی میں انگریز آزاد مفکرین کا ایک گروہ منظر عام پر آیا جس نے سیکولرازم کو عالمگیر تحریک بنانے کی کوشش کی۔ یہ لوگ اپنے آپکو سیکولرسٹ کہتے تھے۔ ان میں نمایاں حیثیت جی۔ جے ،ھولی اوک کو حاصل ہے۔ وہ سیکولرازم کو ''عوامی فلسفہ'' کہا کرتا تھا۔

اب Secularization پہلی بار قانونی اصطلاحی کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد وہ خصوصی تحریکات تھیں، جو ۱۶۴۶ء کی تیس سالہ جنگ کے اختتام پر حکومت کے ساتھ گفت وشنید میں مصروف تھیں، اور جن کے نتیجے میں معاہدہ ویسٹ پھالیہ منظر عام پر آیا، مگر اٹھارویں صدی سے اسے باقاعدہ قانونی ضابطے کے طور پر قبول کرلیا گیا۔ انیسویں صدی میں جب چرچ کو ثقافتی معاملات پر اثر انداز ہونے سے روک دیا گیا، خاص طور تعلیمی اداروں اور مادی فوائد کے امور پر تو secularization میں وسیع مفہوم کا در آنا فطری امر تھا۔ فرانس میں Secularization کو قبول کرلیا گیا اور اسے laicism (مذہب سے آزادی) کا نام دیا گیا [3]۔

سیکولرازم کے ارتقاء کی وجوہات:

جس دور میں یہ پیدا ہوا اس میں دنیا اور انسان کی تعبیر وتشریح جامد قسم کی دیو مالائی انداز میں کی جاتی تھی۔ تمام سماجی زندگی خود ساختہ مذہب کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ حتی کہ فطرت کو استعمال کرنے کیلئے بھی جادوگری اور ساحری کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اگر آپ نے قرون وسطی کی مسیحی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو اور عیسائیوں کے ہاں inquisition کی تاریخ پڑھی ہو۔ جس میں کئی سو سال تک نسل انسانی کو مذہب کے نام پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہزاروں افراد کو زندہ جلا دیا گیا، لاکھوں انسانوں کو بے گھر کیا گیا اور قوموں کی قوموں پر جبرا انکے مذہب ،ثقافت اور شناخت سے محروم کیا گیا اور لوگوں کے عقائد اور ذاتی معاملات کے بارے میں ایسے ایسے سوالات اٹھانے کا چرچ کو اختیار دے دیا گیا جن معاملات میں وہ صرف اللہ کے سامنے جواب دہ تھے تو آپکو بخوبی اندازہ ہوگا کہ سیکولرازم یورپ میں کیسے آباد اور کیوں آج کا یورپ سیکولرازم کو ایک بڑی نعمت اور ایک قیمتی دریافت بلکہ نسل انسانی کی ایک مشترکہ میراث سمجھتا ہے۔ سیکولرازم یورپ کو پادریوں کے جبر سے نجات دلائی اور مذہب کے نام پر مفاد پرست طبقے کی اجاداری ختم کی [4]۔

یورپ کا سیکولرازم دراصل انکویزیشن (مذہبی باز پرس) کی اس تحریک کا ردعمل تھا جو یورپ بالخصوص سپین دو سو سال جاری رہی۔ اس تحریک کے ہاتھوں نسل انسانی پر مذہب کے مقدس پردہ میں جو مظالم

روا رکھے گئے آج انکے تصور سے انسانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اندلس کے شہروں قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ میں وہ مقامات جہاں سالہا سال آگ جلتی رہی اور مسلمانوں کو اس میں جلایا جاتا رہا۔ ان شہروں میں ایسی سڑکیں، چوراہے اور مقامات موجود ہیں جن کے نام عربی لفظ محرقہ (آتش کدہ) سے ماخوذ ہیں۔ ان جگہوں پر آگ دہکتی رہتی تھی اور مذہبی باز پرس کے نتیجے میں جس مسلمان کو سزائے موت دینی ہوتی تھی اسے وہاں لاکر زندہ جلادی جاتا تھا۔ کچھ مقامات پر یہ آگ سوسوسال، ڈیڑھ سوسال دہکتی رہی اور جس شخص کے قبضے سے عربی زبان میں لکھا ہوا کوئی مخطوطہ یا تحریر ملتی تھی یا کوئی شخص کسی عربی تحریر کا احترام کرتا ہوا پایا جاتا یا جب حکومت کے کارندے قرآن کریم کے اوراق زمین پر بکھیر دیتے اور کوئی شخص اس سے بچ بچ کر چلتا تو ایسی صورت میں اس شخص کو زندہ جلا دیا جاتا۔ اس طرح مذہب کے دعوے داروں نے مذہب کے نام پر انسانیت کا قتل عام کیا اور یہ بات صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے فوراً بعد یہودیوں کے ساتھ اس تاریخ کو دہرایا گیا اور ان کے بعد ان کٹر اور سخت دل لوگوں نے جن میں کیتھولک فرقے نے پروٹیسٹنس کے ساتھ یہی کچھ کیا۔ عیسائی طالب علم اسے خوب جانتے ہیں۔ سیکولرازم اسی صورت حال کا فطری ردعمل تھا اور مذہب سے دوری کا سبب بھی یہی تھا اس موقع سے لامذہب لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور اس جذبے کو اور ہوا دی اور ایک فرقے کے لیے ناراضی اور نفرت کو بڑی چالاکی سے مذہب کی طرف موڑ دیا۔ پوری دنیا انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی سیکولرازم کی لپیٹ میں آ گئی۔ الحاد پرستوں کی ایک جماعت سائنسدانوں، تاریخ دانوں، اور فلاسفرز میں سے نکلی اور اس کے ساتھ ہی مذہب کو کاروبار دنیا سے نکال دیا گیا۵۔

۱۸ اگست ۲۰۰۵ کے جنگ اخبار میں ارشاد احمد حقانی اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں:

اس وقت عددی اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے۔ (اگرچہ سب سے بڑا مذہب سیکولرازم ہے)۔ داخلی طور پر جس بحرانی کیفیت سے دوچار رہا وہ تاریخ کے طلباء پر واضح ہے۔ مذہب اور سائنس کے نزاع نے عیسائیوں کو عیسائیت سے بیزار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف عیسائیت پر سرد مہری پیدا ہوئی بلکہ مخالفانہ محاذ اس شدت سے قائم ہو گیا کے پوری مغربی دنیا میں الحاد کی انجمنیں پیدا ہو گئیں۔ اور ترک مذہب کی تبلیغ میں God has dead کے نعرے بلند کرنے لگیں۔ جس سے مغربی دنیا کی فکر ۹۰ کے زاویے پر الٹ گئیں اور مذہب کی جگہ لامذہبیت انکا فلسفہ حیات بن گئی۔

سیکولرازم کے مبادی:

سیکولرازم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانی ترقی کے لے صرف دنیاوی وسائل کو حاصل کیا جائے ، کیونکہ بنیادی وسائل ہماری دسترس میں ہونے کی بناء پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ، پھر یہ وسائل ہمارے مقاصد کے حصول میں زیادہ آزادی کے ساتھ کارآمد ہوسکتے ہیں، سیکولرازم ایسے دور میں پروان چڑھا جب سائنس اور مذہب میں علیحدگی کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا۔ اس مطالبہ کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خاطر سیکولر حقائق کے آزاد اور غیر جانبدار ہونے کا اعلان کیا گیا۔ سیکولرازم کی بنیادی موجودہ زندگی کے تجربہ پر رکھی گئی ، اور دعوی کیا گیا ہے کہ اسے عقل کے ذریعے آزما کر تجربے میں لایا جاسکتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے جس طرح ریاضیات اور کیمیاء سیکولر علوم ہیں اسی طرح ایک فلاحی زندگی اور انسانی طرز عمل کے بارے میں سیکولر نظریہ قائم ممکن ہے اور نہی خطوط پر سائنسی تعلیمات کو شعوری ہدایات میں سمویا جاسکتا ہے۔[6]

اسی طرح سیکولرازم کے مذہب کے ساتھ تعلقات کو معاندانہ کی بجائے منفرد بیان کیا گیا۔ دینیات ان دیکھی دنیا کی تعبیر کو تسلیم کرتی ہے ۔ وہ ان عقائد کی بنیاد ایسی تجویز کرتا ہے جو دینی عقائد سے آزاد ہے ۔ سیکولرازم انہی لوگوں کے لیے باعث کشش ہے ۔ جو مختلف اسباب کی بناء پر دینیات سے غیر مطمئن ہو چکے ہوں۔ سیکولرازم یہ تجویز کرتا ہے ، کہ مکمل سوچ صرف سیکولرازم کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

سیکولرازم اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ کہیں اور روشنی نہیں ہے ۔ اگر ہے تو وہ انسانی مقاصد کے حصول میں ممدو معاون ثابت نہیں ہوسکتی ۔ دینی عقیدہ جب تک انسانی مسرت کے سامنے عملی رکاوٹ بن کر کھڑا نہیں ہوجاتا۔ سیکولرازم اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے ، چاھے جئے چاھے مرے [7]۔

بریڈلاف کا یہ خیال تھا کہ ''سیکولرازم کا فرض ہے کہ وہ مذہبی عقائد کا مقابلہ کرے ، جب تک یہ توہمات اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوتے رہیں مادی ترقی کا تصور محال ہے'' سیکولرازم دعوی کرتا ہے کہ ادستدلال کے قوانین ، عقل اور فہم کے ذریعے اس کے اصولوں کی ترتیب و تہذیب کر کے انہیں تمام انسانیت پر مساوی انداز میں لاگو کیا جاسکتا ہے ، وہ کہتا ہے '' اخلاق کی بنیاد استدلال پر ہے ، غلطی علم میں ہوتی نہ کہ ارادہ میں'' [8]۔

ہولی اوک کے نزدیک ایسے مادی حالات پیدا کرنا ممکن ہے جنکی وجہ سے افلاس اور محرومی کی جڑ اکھاڑی جاسکے ۔ افادیت پسندوں کی طرح وہ بھی اس بات کا قائل تھا کہ حقیقت بذات خود روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ '' اخلاق ہی ایک ایسا عمل ہے کہ انسانیت کی مشترکہ فلاح و بہبود کو قائم کرسکتا ہے'' ۔ اس

کے نزدیک جس طرح سائنس انسانی صحت کے اصول بتا سکتی ہے۔ اسی طرح انسانی خوشحالی کے اصول بھی بتا سکتی ہے۔ انسانی خوشحالی کے حصول کے لیے ہمیں استدلال سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ لیکن استدلال کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں ذاتی خواہشات کی پیروی حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح یقین اور تنظیم کا دفاع صرف غیر جانب دار عقل ہی کر سکتی ہے۔ لہذا عقل کو آزاد رکھنا ضروری ہے۔ علم الاخلاق اور مذہب پر تحقیقات سائنسی تحقیقات کی طرح آزادی سے ہونی چاہئے، تحقیق تنقید اور اشاعت پر قانونی یا روحانی سزا نہیں ہونی چاہئے، زندگی کا یہ عملی نظریہ پیش کر کے سیکولرازم ایک ایسا مقصد پورا کرتا ہے جو بقول اسکے مذہب ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ وہ حق کو سند مانتا ہے نہ کہ سند کو حق۔ وہ افادہ تقوی کو تقوی افادہ پر ترجیح دیتا ہے۔

It tapes truth for authority, not authority for truth substitutes.

The piety of usefulness for the useful ness of piety.

جو بھی انسانیت کے لئے احسن ہوگا، وہ عقل کے ذریعے طے ہوگا جیسے تجربے کے بھٹی سے نکالا گیا ہوگا اور ''اخلاق انسانیت'' اس پر صادر کرے گا۔ یہ جدید تقوی خود اپنے بل بوتے پر اپنا اظہار کریگا، اور ''دانائے کل'' متلون التجاؤں سے دق نہیں ہوگا۔ ہم عملی طور پر عمومی قوانین کے تابع ہیں اور انسان کا فریضہ ہے کہ وہ ان قوانین کا کھوج لگائے اور انکے مطابق زندگی بسر کرے ۸۔

سیکولرازم کی ترقی کی فضاء:

انیسویں صدی کے وسط میں سیکولرازم کے اثرات زیادہ واضح طور پر نظر آئے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب عیسائیت دشمن ردعمل میں سیکولرازم اور اسکے اتحادی نظریات کی یادگار تحریک تھی، مگر بعد میں یہ زوال پذیر ہونے لگا orginized عقلیت پسندی میں ضم ہو کر آزاد وجود سے محروم ہو گیا۔ آج کل عقلیت پسندی ہی سیکولر روح کی جدید اشکال پیش کر رہی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے سیکولرازم کا سنہرا دور وہی تھا، جب وہ اپنے ہمدردوں کے مذہب دشمن propegenda کے ساتھ کلی طور پر متفق ہو گیا تھا۔ مثلاً بریڈلاف سیکولر تحریک میں شامل ہو گیا۔

سیکولرازم اس وقت بہت جاندار بن جاتا ہے جب اسے مذہب دشمن نظریات کے ساتھ منسلک کیا جائے مذہب سے انکار کی بجائے اسے چشم پوشی کرنا ناقابل عمل ہے کیونکہ مذہب دنیاوی اور روحانی دونوں تعلقات کو باہم دیگر پیش کرتا ہے۔ مذہب زندگی کے سیکولر نظریے کا انکار کرتا ہے سیکولر نظریہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ مذہب کے اس دعوے کا توڑ پیش نہ کرے کہ وہ زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم اگر مکمل طور پر مذہب دشمن نظریہ نہیں اپناتا تو ناکامی اسکا مقدر رہے گا ۹۔

اسلام میں سیکولرازم کی حیثیت:

سیکولرازم ایک مختلف المعنی لفظ ہے۔ بعض مفکرین کے نزدیک یہ کفر والحاد کے معنی میں مستعمل ہے اور بعض اسے صرف دنیاداری کے معنوں میں لیتے ہیں اور انکے نزدیک یہ کفر وشرک کی کسی تشریح پر کسی طرح پورا نہیں اترتا۔ لیکن اس بات سے قطعی طور پر انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ سیکولرسٹ افراد الحادی نظریے سے متاثر ضرور ہیں یا کم از کم بہت حد تک متاثر ضرور رہے ہیں۔ اسی لئے اکثر مفکرین سیکولرازم میں الحادی نظریات اور لادینیت دونوں شامل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی الفاظ انہی معانی کے لئے مستعمل ہیں۔

۱۔ انفی ڈل	infidel	کافر نہ ماننے والا۔
۲۔ اتھی اسٹ	athist	خدا اور وحی کا منکر
۳۔ ڈی اسٹ	deist	خدا کا اقرار مگر وحی کو تسلیم نہ کرنے والا
۴۔ سیکری لیجئس	sacriligous	مقدس چیزوں کی بے حرمتی کرنے وا
۵۔ ھیدن	heathen	غیر اہل کتاب، یہودیت، عیسائیت، اور اسلام سے باہر کا۔
٦۔ پروفین	protan	مذہبی مقدسات کو تقدس کا درجہ نہ دینے والا
۷۔ ٹمپورل	temporal	اس دنیا اور زمانے سے متعلق غیر روحانی، دنیاوی
۸۔ لے	lay	دنیاوی، غیر روحانی
۹۔ میڈین	mundane	دنیاوی، غیر روحانی
۱۰۔ سیکولر	seculer	دنیاوی، لادینی، ملحد ۱۰

سیکولرازم کا بنیادی نظریہ:

۱۔ ایک تشریح کے مطابق ''اس دنیا'' ''خدا'' اور مذہب کے دوسرے تصورات کی کوئی حقیقت نہیں۔ صرف یہی دنیا ہے۔ چنانچہ اس interpretetion میں ایتھنزم یا الحاد اور سیکولرازم میں کوئی فرق نہیں۔

۲۔ دوسری تشریح کے مطابق ''دوسری دنیا خدا اور مذہب ہوں تو ہوں لیکن انکا اس دنیا کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ دین اور دنیا کے دائرے جدا جدا ہیں۔ دنیا کم سے کم اتنی ہی اہم ہے جتنا کہ دین۔ یہ لادینیت ہے۔ یہ دونوں صورتیں اسلام سے متصادم ہیں۔ اب دیکھنا ہے سیکولرازم کس صورت میں اسلام سے متصادم ہے اور کس میں نہیں۔

متصادم صورتیں:

(۱) الحاد / دہریت

(۲) لادینی یا غیر مذہبی نظام

الحاد:

جس طرح ایٹم بم کے ٹوٹنے سے مادہ کے بارے میں انسان کے پچھلے تمام تصورات ختم ہو گئے اسی طرح پچھلی صدی میں علم کی جو ترقی ہوئی ہے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ knowledge explosion ہے جس کے بعد خدا اور مذہب کے متعلق تمام پرانے خیالات بھک سے اڑ گئے ہیں۔

یہ جولین ہکسلے کے الفاظ ہیں:

تاریخی لحاظ سے سیکولرازم ہمیشہ الحاد کے ساتھ مخلط رہا ہے، اگر چہ ہولی اوک نے ہمیشہ ان دونوں کے مابین امتیاز پر زور دیا ہے، وہ توحید اور الحاد دونوں کو ایک قسم کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدہ پرستی خیال کرتا تھا۔

ان تمام مفکرین کے نزدیک: جدید طریق مطالعہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ خدا کا وجود فرض کرنا انسان کی کوئی واقعی دریافت نہیں تھی۔ بلکہ محض دور لاعلمی کے وہ قیاسات تھے جو علم کی روشنی پھیلانے کے بعد خود بخود ختم ہو گئے ہیں۔

جولین ہکسلے لکھتا ہے:

''نیوٹن نے دکھادیا کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ جو سیاروں کی گردش پر حکومت کرتا ہو۔ لاپلاس نے اپنے مشہور نظریے میں اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ ملکی نظام کو خدائی مفروضہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈارون اور پاسچر نے یہی کام حیاتیات کے میدان میں کیا ہے، اور موجودہ صدی علم النفس کی ترقی اور تاریخی معلومات نے خدا کو اس مفروضہ مقام سے ہٹا دیا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور تاریخ کو کنٹرول کرنے والا ہے''۱۱۔

اور پھر اس دور میں کئی ایسے منکرین خدا سامنے آئے جنہوں نے معاشرے پر اپنے نظریات کا بڑا اثر چھوڑا۔ ان میں سائنسدان، نفسیات دان، معیشت دان، اور فلاسفرز شامل تھے، ان میں نیوٹن، کارل مارکس، لینن، والٹیر، سگمنٹ فرائڈ، ای ایم فارسٹر، ایچ جی، ہیوم سٹالین (روس کا پہلا حکمران) بھی منکر خدا تھا۔ اس نے کہا میں نے خدا کو آسمان سے اور مذہب کو زمین سے نکال دیا۔ فلاسفر کا ایک بڑا گروہ منکر خدا تھا، اس میں یونانی فلاسفرز، اور ہندو فلاسفرز جن میں خاص طور پر فلسفہ سانکھیہ کے ماننے والے شامل ہیں۔ منکر خدا ہیں۔ (وہ) ایک ایسے خالق کے وجود سے منکر تھے جو دنیا کا نظام چلاتا ہے۔ وہ عالم آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک عالم ہمیشہ سے ایسا تھا اور ایسا ہی رہے گا۔

طبیعاتی دنیا میں اس انقلاب کا ہیرو نیوٹن ہے۔ جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کچھ نا قابل تغیر اصولوں میں بندھی ہوئی ہے۔ کچھ قوانین ہیں۔ جنکے تحت تمام اجرام سماوی حرکت کر رہے ہیں، بعد کو دوسرے بے شمار لوگوں نے اس تحقیق کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ زمین سے لے کر آسمان تک سارے واقعات ایک اٹل نظام کے تحت ظاہر ہوتے ہوئے نظر آئے جس کو قانون فطرت کا نام دیا گیا ہے۔ اس دریافت کے بعد قدرتی طور پر یہ تصور ختم ہو جاتا ہے کہ کائنات کے پیچھے کوئی فعال قادر خدا ہے۔ جو اس کو چلا رہا ہے، زیادہ سے زیادہ گنجائش اگر ہو سکتی ہے تو ایسے خدا کی جس نے ابتداء کائنات کو حرکت دی ہو، چنانچہ شروع میں لوگ محرک اول کے طور پر خدا کو مانتے ہے۔

'' والٹیر نے کہا کہ خدا نے اس کائنات کو بالکل اسی طرح بنایا ہے جس طرح ایک گھڑی ساز گھڑی کے پرزے جمع کر کے انھیں ایک خاص شکل میں ترتیب دے دیتا ہے اور اس کے بعد گھڑی کے ساتھ اسکا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد ''ہیوم'' نے اس ''بے جان اور بے کار خدا'' کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ہم نے گھڑیاں بنتے ہوئے دیکھی ہیں۔ لیکن دنیائیں بنتی ہوئی نہیں دیکھیں۔ اس لیے کیونکر ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں ۱۲۔

"God is nothing a projection of mind on a cosmic screen"

یعنی خدا کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ کائناتی سطح پر انسان کی ہستی کا ایک خیالی انعکاس ہے، دوسری دنیا کا عقیدہ، انسان کی اپنی آرزوؤں کی ایک خوبصورت تصویر beautiful idealisation of human wishes سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، وحی والہام محض بچپن میں دبے ہوئے خیالات کا childhood represion ایک غیر معمولی اظہار ہیں۔

Ralpn linton لکھتا ہے:

ایک ایسے قادر مطلق کا تصور جس کے کام خواہ کتنے ہی غیر منصفانہ معلوم ہوں مگر وہ مکمل فرمانبرداری اور وفاداری ہی کے ذریعے خوش کیا جاسکتا ہے، براہ راست سامی عائلی نظام کی پیداوار تھا اس عائلی مبالغہ آمیز فوق الفطری انانیت کو جنم دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون موسوی کی شکل میں انسانی زندگی اور رویہ کے ہر پہلو کے متعلق محرکات کی ایک مفصل فہرست تیار ہوگئی، محرّ کات کا یہ سلسلہ ان لوگوں نے گرہ میں باندھ لیا جو بچپن میں اپنے باپ کے احکام کو یاد کرنے اور احتیاط سے اس پر عمل کرنے کے عادی ہو چکے تھے، خدا کا تصوّر مخصوص قسم کے سامی باپ کا پرتو ہے جس کے اختیارات میں تجرّ داور مبالغہ پیدا کر دیا گیا ہے'' ۱۳۔

سیکولرازم کے چاہنے والوں نے اس کے لیے خاصی جان لگائی اور اس وقت سے آج تک سیکولرازم ایک تحریک کے طور پر کام کرتا رہا مگر اب تیزی سے مذاہب میں مداخلت کر رہا ہے اور بہت تیزی سے خدااور مذہب کے بارے میں اپنا نظریاتی اثر چھوڑ رہا ہے۔

قرآن کریم اس نظریے کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وقالو ا ماهي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا ومايهلكنا الاالدهر﴾

ترجمہ: وہ کہتے ہیں ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے ہم یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں مارتا ہے۔

دہری کا ایک معنی ملحد یعنی اس شخص کے ہیں جو صحیح عقیدے سے انحراف کرتا ہے۔ سورۃ الجاثیۃ کے زیراثر اس لفظ کو ایک وسیع مفہوم کا حامل قرار دیا گیا ہے اور دہری کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

''دہری وہ شخص ہے جو رب الارباب (اللہ) خلق، ثواب، عذاب، دین، اور قانون سب کا انکار کرتا ہے۔ اپنی شہوانی خواہش کے سوا کسی اور طرف توجہ نہیں دیتا، بدی صرف وہ چیز ہے جو اس کی خواہشات کی راہ میں حائل ہو۔ اس کے نزدیک انسان پالتو جانوروں اور وحشی درندوں میں کوئی فرق نہیں، اور مسئلہ صرف لذت والم کا ہے۔ خیر اس کے نزدیک صرف وہ چیز ہے جو اس کے مفاد کے حصول میں مدد دے چاہے اس میں ہزار آدمیوں کی جان چلی جائے'' ۱۴۔

اشتراکیت، جمہوریت، مادّیت پسندی، اور لبرل ازم انھیں دنیا پرست اور محلدانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کا کارنامہ تھا۔ جنہوں نے اپنے مفاد کے آگے کچھ نہیں دیکھا۔ کبھی معاشیات کے ذریعے لوگوں کا استحصال کیا کبھی نفسیات کے ذریعے سامنے آئے تو کبھی سیاست کے ذریعے۔

روشن خیالی کو نیا خون جرمنی کے فلسفی ہیگل نے دیا۔ اس نے ۱۸۱۶ میں Scince of logic لکھی۔ جدیدیت ماضی اور حال کے تہذیبی تصادم کا نتیجہ تھی، یہ سائنس کے عطا کردہ طرز فکر کو بنیاد قرار دیتی تھی۔ استدلال اسکا خدا تھا۔ مغربی تہذیب کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ مذہب کے تابع نہیں ہونا چاہتی۔ وہ مذہب کو اپنی تحریکوں کے تابع کرنا چاہتی ہے ۱۵۔

علوم اجتماعی کی انسائیکلوپیڈیا میں مذہب کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے۔ اب وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا۔ مافوق الفطری طاقتیں دراصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لیے انسانی ذہن نے اختراع کی تھی، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے جگہ لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اسکے بعد ایک خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے۔ کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور مفید تخیلات تھے، مگر اب جدید ترقی یافتہ سماج میں وہ اپنی ضرورت وافادیت کھو چکے ہیں''۔ ۱۶۔

خدا پرستی سے انکار نے میکانکی طور پر دین کا خاتمہ کر دیا اور یوں مذہب سے تعلق بالکل ختم ہو گیا۔ اس طرح سیکولرازم کے مفہوم میں الحادیت کا مفہوم آتا رہا اور تاریخی لحاظ سے سیکولرازم ہمیشہ الحاد کے ساتھ مختلط رہا ہے اور سیکولرازم کا فرض تھا کہ وہ مذہبی اعتقادات کا مقابلہ کرے مگر رفتہ رفتہ سیکولرازم میں ''دہریت'' کے مباحث ختم ہو گئے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ ان لوگوں میں سرایت کر گیا جو خدا کی ذات سے تو

انکار نہیں مگر وہ اس ذات کو یا اس کے احکامات کو اپنے دنیاوی امور میں شامل نہیں کرتے۔ ۱۷ ۔

لادینی یا غیر مذہبی نظام:

مغرب میں تحریکیں ایک دوسرے کا ردعمل ہیں۔اس ردعمل میں بنیادی ہدف مذہب ہے۔جو مغرب تہذیب میں موجود بھی ہے اور مظلوم بھی ہے۔ان تحریکوں نے حصّہ بقدر جثّہ کے مصداق مذہب کو ہدف بنایا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ایک بنیادی روّیہ قیصر کے زمانے سے چلا آرہا ہے کہ زندگی کی تمام تلخیوں کا الزام مذہب کو دینا ہے اور اس کی تمام تر عنائی اس سے دوری میں تلاش کرنا ہے ۱۸۔

Insyclo pedya of religion and ethics میں لکھا ہے:

اس طریق فکر کے مطابق مذہب حقیقی واقعات کی غیر حقیقی توجیہ ہے، پہلے زمانے میں انسان کا علم چونکہ محدود تھا، اس لئے واقعات کی صحیح توجیہ میں اسے کامیابی نہیں ہوئی اور اس نے مذہب کے نام سے عجیب عجیب مفروضے قائم کر لئے، مگر ارتقاء کے عالمگیر قانون نے انسان کو اس اندھیرے سے نکال دیا ہے اور جدید معلومات کی روشنی میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اٹکل پچّو عقائد پر ایمان رکھنے کی بجائے خالص تجرباتی اور مشاہداتی ذرائع سے اشیاء کی حقیقت معلوم کی جائے۔ چنانچہ وہ تمام چیزیں جن کو پہلے مافوق الطبیعی اسباب کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا۔اب بالکل فطری اسباب کے تحت ان کی تشریح معلوم کر لی گئی ہے۔

مذہب سے نجات حاصل کرنے کے عمل کو جب دستوری قانون بنایا گیا تو اسکا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست اور مذہب میں علیحدگی وجود میں آنے لگی اور اسکی تکمیل بھی ۹ستمبر ۱۹۰۵ء کو تیسری جمہوریہ کی قانون سازی میں ہوگئی۔ ۱۸۰۱ء کا پوپ کے ساتھ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۰۴ء میں پوپ کے ساتھ مدبّرانہ تعلقات توڑ ڈالے گئے۔ پبلک فنڈز سے چرچ کی امداد بند کر دی گئی، چرچ کی تمام عمارت ریاست کی ملکیت قرار دی گئی۔البتہ پرستش سکھانے کے باضابطہ سرکاری اور سند یافتہ گروہوں کو اور انکی بیرونی تنظیموں کو یہ عمارت مفت استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ان سرکاری مذہبی اداروں کے مالی انتظامات کی نگرانی بھی ریاست کرنے لگی۔تیسری جمہوریہ کا تعلیمی نظام ایک قسم کا ریاستی مذہب تھا جسے ایک قسم کا ''سرکاری الحاد'' کہا گیا۔ ۱۷۹۳ء تا ۱۷۹۵ء کے انقلاب کی ''محبت خدا و بشر'' (Theophilon thropism) کو مذہب کا نعم البدل قرار دیا گیا۔ یہ قدم اس وقت اٹھایا گیا جب ۱۸۸۲ء میں ریاستی سکولوں سے مذہب کا نصاب بالکل ختم کر دیا گیا، اسکی جگہ ریاستی خطوط پر ترتیب دی گئی اخلاقی تعلیمات رکھی گئیں۔ابتدا میں خدا کے اعتقاد کو اوّلین سرچشمے کے طور پر باقی رہنے دیا گیا۔لیکن ۱۸۶۶ء میں معرض وجود میں آنیوالی

Ensignments liguedel نے مطالبہ کر دیا کہ اخلاقیات کو تمام خدائی احکامات سے پاک کر دیا جائے۔ اس طرح ریاستی چرچ نے بھی مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور یہ نظریہ عالمگیر شہرت حاصل کر گیا، چونکہ مذہبی احکامات آزاد اسکولوں کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ لہذا قانون سازی کو سب سے زیادہ انکے خلاف موڑا گیا۔ ۱۹۰۴ء میں بلا استثناء تمام مذہبی مقامات کو ہر قسم کی سرگرمیوں سے روک دیا گیا ۱۹۔

یورپ کے اس طرز عمل سے پوری دنیا متاثر ہوئی اور پوری دنیا بے راہ روی کی لپیٹ میں آ گئی۔

مشہور شخصیات کا مذہب پر تبصرہ:

۱۔ انجیل میری کتاب نہیں اور مسیحیت میرا مذہب نہیں (ابراہام لنکن)۔

۲۔ عام لوگوں کو خاموش رکھنے کے لئے مذہب سے بڑھ کر کوئی گر نہیں (نپولین)۔

۳۔ کبھی اتنا بڑا جھوٹ نہیں بولا گیا جتنا بڑا جھوٹ جنت کا باغ تھا (ہنری وارڈ بیچر)۔

۴۔ علم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب کا قد چھوٹا ہوتا جوتا ہے (تھامس کارلائل)۔

۵۔ یہ تمام دنیاؤں سے بہتر دنیا ہوگی اگر اس میں کوئی مذہب نہ ہو (جان ایڈمز)۔

۶۔ یہ بہت آسان ہے کہ لافانی زندگی کا تصور رد یا جائے، اسے امید اور خوف زندہ رکھتے ہیں، بچگانہ اعتقاد اور بزدلی اس کو جواز فراہم کرتے ہیں۔ (کلیرنس ڈیرو) ۲۰۔

آئزک نیوٹن اور جان لاک کے ساتھ روشن خیالی تحریک کا آغاز ہوا اور یہ والٹیئر اور روسو کے نظریات پر ختم ہوئی۔ رومن کیتھولک چرچ اپنی ہی کشمکش سے دوچار رہا۔ آگسٹائن کی مسیحیت اور انسانی نجات کے مکاتب فکر پیش کے۔ پاپائیت کے لیے سائنس کو قبول کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے گلیکو کے تصورات کو بغاوت قرار دیا، کوپنیکس اور گلیلیو جیسے سائنس دانوں اور علمائے نے کہا کہ زمین نہ صرف گھومتی بلکہ یہ اپنے مدار میں سورج کے گرد بھی چکر لگاتی ہے۔ سورج ایک ساکت مادہ ہے جس کے گرد زمین گھومتی ہے۔ اس تصور نے مذہبی تعلیم کی نفی کر دی۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان خداوندی تخلیق کا مرکز نہیں ہے اور یہ مذہب پر حملہ ہے۔

کیتھولک چرچ کی اجارہ دار کو ختم کرنے کے لئے خود مسیحیت میں سے ہی ایسے لوگ اٹھے جو نئی تحریکوں کے بانی بنے اس میں پروٹسٹنٹ فرقہ کا ''مارٹن لوتھر'' بہت مشہور ہے ۲۱۔ اور دراصل یہیں سے

گمراہی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

سیکولرازم کس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہے:

اگر سیکولر کی ایک دوسری بنیادی تعریف کو پیش نظر رکھا جائے تو سیکولرازم کی وہ حیثیت سامنے آتی ہے جو اسلام سے متصادم نہیں ہے۔ (اس تعریف کے مطابق) دین و دنیا کے حوالے سے سیکولر زمانی اور دنیاوی ہی کی عکاسی کرتا ہے، اس کے مفہوم میں اگرچہ دنیاداری کا عنصر غالب ہے، الحاد اور لادینت کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہا ہے لیکن اگر کوئی شخص دنیا کی طرف مائل ہو یا دین و دنیا ساتھ لے کر چلتا ہو اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک کہ کوئی شخص خدا اور مذہب کو ماننے سے واضح طور پر انکار نہ کردے۔ یہی سبب ہے کہ دنیاداری کرنے والا شخص پادری بھی ہوسکتا ہے۔

سیکولر فکر صرف دین و دنیا کو اپنا اپنا مقام دیکر اور دین کا انکار کیے بغیر زمانی اور زمینی معاملات کو عقل و شعور اور تجربہ کی بنیاد پر چلانے اور سلجھانے کا نام ہے۔ سیکولر حکومتوں کے اندر اقلیتی مذاہب اور فرقوں کو اپنے مسلک پر چلنے کیلئے آزادی اور تحفظ مل گیا۔ نہ کوئی بے دین ہوا نہ کسی نے مذہب چھوڑا۔ تبلیغی مشن بھی جاری رہے ۲۲۔

ہمارے ہاں مذہبی حوالے سے جذباتیت کا عنصر بڑی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے اور اگرچہ دنیاوی امور کو معروضی حقائق کے اندر اندر اور اسکے مطابق چلانا سمیت علمائے دین کے، ہر شخص کی ضرورت ہے اور مجبوری بھی لیکن ہم دائیں بائیں دیکھے اور سنے بغیر حقیقتوں سے نظر چرا کر مذہب کے نام پر جذباتی ہوجاتے ہیں۔ ہماری یہ جذباتیت جو محض نعرے بازی تک محدود ہوتی ہے، ہمارے اعمال سے میل نہیں کھاتی "چنانچہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم کے مصداق کچھ بھی نہیں کر پاتے البتہ ہوس اقتدار سے مغلوب حکمران، سیاست دان اور مفاداتی گروہ اس جذباتیت سے ناجائز فائدہ ضرور اٹھاتے ہیں۔

ہمارا حکومتی نظام باقاعدہ اعلان شدہ سیکولر تو نہیں ہے لیکن ہمارا قومی زندگی کے بیشتر حصے سیکولرازم کی طرز پر چل رہے ہیں۔ اور سبب ایک ہی ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ سرکاری عہدہ یا منصب اگر ذاتی عقیدہ کے تابع ہوجائیں تو ریاستی نظام درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ اور امن و قانون کی دھجیاں بکھر جائیں۔

تصور کریں کسی ضلع کا ڈپٹی کمشنر سپاہ صحابہ کا مسلک رکھتا ہو اور سپرینٹنڈنٹ آف پولیس فقہ جعفریہ کا ماننے والا ہو، سیشن جج اور دیگر ضلعی عہدیداران و افسران دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی، یا کسی اور

فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں ۔ اور اگر انکا ذاتی عقیدہ انکے منصب پر حاوی ہوجائے یا کر دیا جائے تو قانون وانصاف، امن وڈسپلن کا کیا حشر ہوگا۔ عملی اعتبار سے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ امور مملکت کو ذاتی عقیدوں سے الگ رکھا جائے ۲۳؎ ۔

عملی اعتبار سے بین الاقوامی معاملات اور تعلقات میں بھی ہمارے سمیت دنیا کی کوئی قوم سیکولرازم سے دامن نہیں بچا سکتی ۔ سابقہ آر۔سی ۔ڈی اور حالیہ تنظیم برائے اقتصادی تعاون میں ہمارا رشتہ مذہبی ضرور ہے لیکن مقاصد جیسا کے نام سے ظاہر خالصتاً دنیاوی ہے۔

مسلمان ایک قوم ہیں مذہبی حوالے سے یہ بات درست ہے لیکن اصطلاحات کے ابہام سے بچنے کیلئے انہیں امّت یا ملت کہا جائے تو بہتر ہے کہ یہی عام طور پر مستعمل ہے۔ مسلم امّہ کے اندر ۵۵ سے زائد آزاد مملکتیں ہیں ۔جن میں سے بیشتر ثقافت وطن کی بنیاد پر الگ قومی شناخت رکھتی ہیں ۔سب کے مفادات بھی جدا جدا ہیں ۔ اپنے ترجیحات کا تعین قوم کی تشکیل اور مذہب کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے ۱۱ اگست کو دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس سے بطور چیئرمین جو تاریخی خطاب کیا وہ ریکارڈ پر موجود ہے۔

انہوں نے کہا ''اگر آپ ماضی کے اختلافات کو بھلا کر باہمی تعاون کے ساتھ کام کریں گے تو کامیابی آپ کا مقدّر ہوگی۔ اگر اس جذبے کے ساتھ کام کریں گے کہ چاہے آپ کا رنگ ونسل اور عقیدہ کچھ بھی ہو آپ اول وآخر مساوی حقوق ومراعات اور ذمّہ داریوں کے حامل اس ریاست کے شہری ہیں تو ترقی کی کوئی انتہا نہ ہوگی''۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''آپ کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب، ذات اور عقیدہ سے ہو امور مملکت سے اسکا کوئی واسطہ نہ ہوگا''۔

انہیں اس نوزائیدہ مملکت کو مستقبل میں پیش آنے والی نسلی مذہبی، فرقہ وارانہ اور دیگر عصبیتی مسائل کا احساس تھا۔ اس لیے انہوں نے ان مسائل کی نشاندہی بھی کی اور اسکا حل بھی بتایا۔

قائداعظم اسی طرح اپنی نوزائیدہ قوم کے اندر پائی جانے والی عصبتیوں کو یک رنگ وہم آہنگ کر کے ایک مضبوط ومستحکم پاکستانی قوم بنانا چاہتے تھے، وہ اس معاملے میں سنجیدہ تھے کہ انہوں نے بلاامتیاز

دین وذات، حقوق ومراعات اور ذمہ داریوں کی مساوات پر عمل کو نصب العین قرار دیا۔

ان حقائق کا ادراک ہو جانے کے بعد سیکولرازم لفظی ومعنوی اعتبار سے کوئی روایتی کفر نہیں ہے ۔ بلکہ مذہبی رواداری اور دین و دنیا میں مطابقت پیدا کرنے کا نام ہے جس میں قومی مفاد و ترقی کی خاطر مملکت کو مسالک کے تسلّط سے آزاد رکھا جاتا ہے۔

سیکولرازم ویسے بھی کثرت مذاہب وفرقہ کی حامل سوسائیٹوں کے اندر پائی جانے والی مذہبی منافرت وکشیدگی کو کم کر کے باہمی احترام کے ساتھ زندہ رہنے کے راستے ہموار کرتا ہے۔ اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کی وحدت ملّی کے تحفظ کیلئے دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ ''عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد'' یہ توازن دین و دنیا کا حسین امتزاج ہی اسلام کا سب سے بڑا طرہ امتیاز ہے۔ جو انسانی مزاج کے بالکل ہم آہنگ ہے ۲۴ ۔

سیکولرازم کے اثرات:

ا۔ مغربی دنیا پر سیکولرازم کے اثرات:

مغربی تہذیب میں نشاۃ ثانیہ کے دور کے بعد اس تحریک اور ان تصورات نے بہت تیزی سے انسانی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یوں سمجھی جاتی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی کا ساتھ دینے کی دوڑ میں زندگی کے اساسی رویوں، بنیادی تعلقات معاشرتی اور علمی محاذوں اور معاشی مقابلوں نے انسان کو سانس لینے کی مہلت بھی مشروط دی ہے

مغرب میں تحریکیں ایک دوسرے کا ردعمل ہیں۔ اس ردعمل میں بنیادی ہدف مذہب ہے جو مغربی تہذیب میں موجود بھی ہے اور مظلوم بھی ہے ان تحریکوں نے حصّہ بقدر جثّہ کے مصداق مذہب کو ہدف بنایا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ایک بنیادی رویہ قیصر کے زمانے سے چلا آرہا ہے کہ زندگی کی تمام تلخیوں کا الزام مذہب کو دینا ہے اور اس کی تمام تر رعنائیوں کو اس سے دوری میں تلاش کرنا ہے۔ جدیدیت کی تحریک نے بیسویں صدی کے انسان کو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون کا بے دریغ استعمال کیا۔ اس نے نو آبادیات سے لے کر قومی ریاست تک اس قانون کو نافذ کیا۔ اب بھی یہ قانون روبہ عمل ہے اور اسے ایک اور قانون یعنی مذہب ہر فرد کا نجی معاملہ ہے۔ اسے جوڑ کر مذہب کو عملی طور پر بے اثر کر دیا گیا ہے ۲۵ ۔

ایک جرمن مستشرق خاتون اینڈریالوئیک Andrea lueg اپنے مضمون Preception of Islam in Western debates میں صاف الفاظ میں کہتی ہے:

مذہب کا وہ خوف جو ہمارا خیال ہے ہم نے اپنے روشن خیال معاشروں سے ختم کر دیا ہے"

اب صورت حال مزید بحران کا شکار ہوگئی ہے۔ خاندان کی وحدت کو برقرار رکھنا ضروری نہ رہا۔ شادی اور خاندان کا تصور ٹوٹ گیا۔ مل جل کر شادی کے بغیر رہنے Co-hebitation کو قبولیت ملی ۔ ہم جنس پرستی کو فروغ ملا۔ اب کئی یورپی ممالک اور بعض امریکی ریاستوں میں ہم جنس پرستوں کو شادی لائسنس یا پرمٹ دیے جا رہے ہیں۔ اسے شخصی آزادیوں کی معراج کہا جا رہا ہے ۲۶ ۔

ہم جنس پرستی امریکہ میں صدارتی انتخاب کا موضوع ہے۔ بلکہ صورت حال اب اس سے بھی کہیں زیادہ بگڑ چکی ہے مذہب سے آزادی نے مغرب کو بے راہ روی کا تحفہ دیا ہے۔ انکا نیٹ ورک بے حیا اور فحش مناظر کے لئے بالکل آزاد ہے۔ Internet کی آمد نے مزید چار چوند لگا دیے Romance کے نام سے باقاعدہ chat room ہے۔ اس میں lesbians اور merried and unmerried افراد سے contact کیلئے باقاعدہ contact services موجود ہیں۔

دوسری طرف مذہب اور مذہبی شخصیات کو تنقید کا نشانہ بنالیا۔ یہ صورت حال بنیادی طور پر مذہب کے خلاف ایک ذہن کی تیاری تھی۔ عام زندگی میں پادری اسکا نشانہ تھا۔ اسکے خلاف بدعنوانیوں کے معاملات میڈیا نے اچھالے۔ ہم جنس پرستی کے سیکینڈل بنے۔

اور ایک انسانی کمزوری پوری مذہب پر تنقید کا سبب بنالی گئی جو کہ ایک ناانصافی تھی ۲۷۔

جدید لبرل ازم کا ایک بڑا مسئلہ ہے کہ پورے معاشرے کو سیکولر بنانا چاہتے ہیں۔ جدید لبرل ازم مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دیتی ہے جسے عوامی زندگی یا سیاسی منظر میں کسی کردار کا حق نہیں ہے۔ اس طرح سے حکومت کو اپنے کردار اور ساخت میں مکمل طور پر سیکولر ہونا چاہئے۔ جب بھی مذہب کسی بھی اعتبار سے ایسے دائرے میں آئے گا جس کا تعلق انفرادی حقوق سے ہے یا وہ ایک عوامی دلچسپی کا دائرہ ہے، اسے شخص زندگی کے خلاف کہا جائے گا۔ اس سے شخصی حقوق متاثر ہوں گے اور چرچ و ریاست کی علیحدگی متاثر ہوگی۔

اخلاقیات اور اس کی قدریں ماحولیات سے لے کر بجٹ سازی تک کے مراحل میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور حکومت ایک معاشرتی عامل کے طور پر مختلف امور پر اخلاقیات کے حوالے سے پوزیشن اختیار کرتی ہے۔ مذہب کو کسی بھی کردار سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے ۲۸ اور یہ کہ دنیا میں کسی نظریے نے مذہب کے مخالفین میں بڑے بڑے مفکرین پیدا نہیں کیے جس قدر تعداد میں چرچ کے مخالفین اور لبرل ازم کے حامیوں نے دنیا کو مفکرین دیے ۲۹۔

سیکولرازم کے مسلم دنیا اثرات:

مغربی تہذیب کے پیروکار میں تفاخر اور نسل پرستی کے جراثیم اس قدر مضبوط اور گہرے ہیں کہ وہ دنیا کی دوسری تہذیبوں کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی وجہ انکی غالب حیثیت بھی ہوسکتی ہے جس نے سیاسی اور معاشی اعتبار سے دنیا کو گرفت میں لے رکھا ہے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر دوسروں سے زندگی گزارنے کا سلیقہ چھین لینا ایک ایسی خواہش ہے جو بہت منفی اور دور رس اثرات کی حامل ہے۔

مغربی استعمار نے گزشتہ تین سو سالوں میں مسلمانوں کو محکوم کیا لیکن اکیسویں صدی کی طاغوتی قوت اب نہ صرف مسلمانوں سے برسرپیکار ہے بلکہ خود اسلام کے خلاف بھی مصروف جنگ ہے۔ یہ ایک نیا محاذ ہے جس پر امّت مسلمہ کو صف آرا ہونا ہے۔

امریکی حکومت کے ترجمان ''وائس نیوز ورلڈ رپورٹ'' کے نئے شمارے میں ایک خصوصی تحریر شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ''ڈالر دل اور دماغ Heart mind and Dollar تھا۔ یہ مضمون امریکہ کے عزائم کا پردہ چاک کر دیتا ہے جو اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لئے امریکی دانشور ڈالروں کی مدد سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عالم اسلام میں نفوذ کے لئے وہ مسجد کے اماموں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ علمائے کرام اور مفتی حضرات کو خریدنا چاہتے ہیں تاکہ مطلب کے فوائد حاصل کئے جاسکیں۔ نوادرات قرآنی، مخطوطات وغیرہ کی نمائش پر کثیر رقم خرچ کر کے اسلام دوستی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلی کا حال سب کو معلوم ہے موسیقی رقص، عریانی، ماڈلز فیشن شوز، فلمی اداکاروں کے ذریعے مسلم ممالک میں اباحیت پرستی کو عام کرنا چاہتے ہیں[۳۰]۔

۱۲ نومبر ۲۰۰۵ء کو روزنامہ آواز میں ایک خبر شائع ہوئی:

''یورپی عدالتوں نے ترکی یونیورسٹیوں میں سر ڈھانپنے کی پابندی تائید کر دی''۔

اصل میں اس معاملے کا یورپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ انکی بے جا مداخلت ہے۔ انکے نزدیک کسی ایک مذہبی کو ترجیح دینے کا معاملہ درست نہیں ہے۔

جدیدیت نے سیکولر جمہوریتوں کو فروغ دیا ہے۔ اس نے جدید سائنس کے اثرات اور دائرے کو وسیع کیا ہے۔ اس نے بین الاقوامی برادری کا تصوّر دیا ہے۔ اب ''میرا ملک میری دنیا'' کا تصور ہے سب سے پہلے ''پاکستان'' اسی کا شاخسانہ ہے، جو مذہبی جذبات کے تابع نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادیں مغربی سرمایہ داری اور صارفین کی مارکیٹ میں ہیں۔ جدیدیت کی بنیادیں انفرادیں ملکیت میں ہیں اور اسی سے ملتی

نیشنل کارپوریشنیں وجود میں آئی ہیں۔ جدیدیت نے ایک گہری اور تابع دار سیکولرازم ہمیں دی ہے۔ کم از کم اس نے ہمیں اس تشکیک اور مذہب کے ریوں سے نجات دلائی ہے جو ابہام سے خالی نہیں اور ہمیں مذہبی رجحان کا پتہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جدیدیت کے معمار ہیں۔ ہمارے سامنے یہ ایک بڑا چیلنج ہے کہ ہم اپنے ہم عصروں کی اس گہرائی کو سمجھ سکیں جو وہ خدا کے سامنے جھکنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ جدیدیت نے نفسیات، خواتین کے حقوق، ہم جنس پرست مردوں اور عورتوں کو آگے بڑھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انفرادی حقوق اور آزادیاں جن میں اظہار رائے نقل وحمل اور انجمن سازی کی آزادیاں شامل ہیں اور وہ شخصی آزادی بھی یقینی بناتی ہے جو کبھی کبھار فحش Pornography کی حدود بھی عبور کر جاتی ہے اور اخلاق باختگی میں شامل ہو جاتی ہے اور کبھی کثرت شراب نوشی کا سبب بن جاتی ہے جب مذہب زندگی کے مرکز کا حصّہ تھا جسم کے گناہ تو تب بھی تھے۔ اسی طرح سے جدیدیت کے دنیا بھر میں اثرات کی علامت دونوں ٹاور تھے جس طرح آزادی کی مورت چین میں وہ تھی جسے تیانامن سکوائر میں طلبہ نے بنایا تھا۔ اور صراحی دار کوکا کولا کا ایستادہ بوتل علامت تھی جو دنیا کے بشتر حصّوں میں بشمول افریقہ، وسطی وجنوبی امریکہ اور جنوبی بحرالکاہل میں بھی مل جاتی ہے۔

جدیدیت کی علامتوں میں سے ایک علامت جدید یونیورسٹی ہے جس کا مقصد ہے کہ علم کی تحصیل کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہے اور سفر کرنے والے کو آگ کی جانب لے جائے۔ دوسرے الفاظ میں آزاد ذہن ہر قسم کی سرحدوں سے آزاد ہے۔ اس آزاد ذہن میں کچھ بھی سما سکتا ہے۔ بکواس، توہین رسالت یا پھر کوئی سائنسی مہم جو ہماری اخلاقی حس کو کہیں پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ یہ سب ممکن ہے۔ اسی طرح سے جدیدیت کی علامتوں میں پینٹاگان بھی شامل ہے اور وائٹ ہاؤس بھی ہے۔ یہ جمہوریت کی علامتیں ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر، بین الاقوامی بزنس کی علامت تھا۔ یہ سرمایہ داری کے عروج اور حاکمیت کا نشان تھا۔ دوسرے الفاظ میں ۱۱ ستمبر کو حملوں ہدف تھا''۔

جدیدیت اور اسلام کے بارے میں جیک لکھتا ہے کہ:

> میں یہ کہنا چلا ہوں کہ ہم تہذیبوں کے تصادم میں رہ رہے ہیں، یہ تصادم اسلام اور جدیدیت کے درمیان ہے تمام مسلمانوں نے جدیدیت کیخلاف ہتھیار نہیں اٹھار کھے۔ اگرچہ خود اسلام کے اندر یہ بحث جاری ہے کہ کس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کا ترجمان ہے اور کون دارالسلام کی قیادت کرے۔ اسی طرح سے ایک دارالحرب ہے۔ جو جدید مغرب ہے جو ''جنگ کا گھر'' ہے۔

''امت پوری دنیا میں ایک وحدت ہے۔ اس کی کوئی سرحدیں نہیں ہیں۔ اس کی ثقافتی شناخت ہر جگہ ایک نہیں ہے، اس کی کوئی مشترکہ زبانیں نہیں ہیں جو قرآن کے لیے محفوظ ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک ایسی تہذیب پر مشتمل ہے جو جدیدیت سے متصادم ہے۔ ''تہذیبوں کے تصادم'' کا بنیادی سوال یہی ہے کہ امت خود کو بین الاقوامی برادری میں ضم کردے یا اسے اپنے اندر ضم کرلے۔ یا پھر جدیدیت کے راستے پر بقائے باہمی کے مطابق اسلام اور جدیدیت دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ لیکن ہم جو کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ ایک ''جہاد'' ہے، یہ اسلامی انتہا پسندوں کیخلاف ایک مقدس جنگ ہے۔ جو جدیدیت اور امت کے درمیان تہذیبی تصادم ہوتا دیکھ رہے ہیں''۔

جس طرح امت مسلمہ کے بارے میں جیک مائلز کا یہ تصور حقائق کے منافی اور اسلام سے ناواقفیت کا مظہر ہے اور اس کی تہذیبی حیثیت کو بے حیثیت کرنے کی ایک کوشش ہے اسی طرح سے اسلام کی سیاسی شناخت کو دہشت گردی سے موسوم کرنی کی روش بھی غلط ہے۔ ڈیوڈ لکھتا ہے کہ:

''الجہاد'' ہے جو ۱۹۸۱ء میں انور السادات کے قتل کی ذمہ دار ہے اور اس نے ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ میں دھماکے کیے تھے۔۔۔ اسی طرح سے بہت سی دوسری تحریکیں الجزائر، سوڈان، چیچنیا، پاکستان، بھارت اور انڈونیشیا، فلپائن اور دوسری جگہوں پر موجود ہیں۔ یہ تحریکیں اسلام پسندوں کے اندر بنیاد پرستی کی انتہا پسند اور متشدد صورتیں ہیں۔ ان کو ۱۹۷۰ء کے عشرے سے مسلمانوں کے اندر پذیرائی مل رہی ہے۔ ان تحریکوں کے مقاصد بہت واضح ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ مغربی قوتوں کو مشرق وسطیٰ سے نکالا جائے۔ مغربی فوجیں وہاں سے جائیں، مغرب کا معاشی اور ثقافتی اثر ختم ہو۔ بن لادن نے اپنی ہر بات میں تین مطالبات دھرائے ہیں۔ امریکہ اسرائیل کی حمایت بند کرے، عراق پر سے پابندیاں ختم کرے، اور سعودی عرب سے امریکی فوجیں نکالی جائیں۔ لیکن اسلام پسند دنیا کے اس خطے سے ہماری مکمل غیر موجودگی کے لیے کام کر رہے ہیں، مثال کے طور پر وہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل کو تباہ کر دیا جائے یا ختم ہو جائے۔ یہ وہ مقصد ہے جسے حزب اللہ نے اپنی ویب سائٹ پر بیان کیا ہے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلامی دنیا کو متحد کر کے مغرب کے مقابلے میں لایا جائے۔ بن لادن نے گزشتہ نومبر میں کہا تھا یہ جنگ ایک مذہبی جنگ ہے۔ اس کا بیان الجزیرہ نے براڈ کاسٹ کیا۔۔

ایک تیسرا مقصد یہ ہے کہ ایک سخت گیر اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے جو شریعت کا تابع ہو۔

اس مقصد کے لیے بنیاد پرستوں اور ان کے دہشت گردوں نے اپنے ممالک میں دہشت گردی

کی کاروائیاں کی ہیں جہاں وہ قرآن کے مطابق نظام قائم نہیں کرسکے"۔

مغرب کا ہر دوسرا دانش اور اپنے تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ دنیا میں تہذیبوں کا تصادم جاری ہے اور جدیدیت کو بچانے کے لیے اسلام اور اس کی تہذیب کا مقابلہ لازمی ہو چکا ہے۔ ڈیوڈ کیلی نے جو کچھ بیان کیا وہ یکطرفہ سادگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اپنی ایجنسیوں کی رپورٹوں پر ایمان اور اپنی افواج کی کاروائیوں سے قطعی صرف نظر کے دوہرے رویے کے ساتھ اسلام کو ان دائروں میں بھی دہشت گرد کہنا معمول بن گیا ہے جہاں وہ دہشت گردی کا نشانہ ہے۔ ڈیوڈ کیلی بھی یہ یکطرفہ تجزیہ کرنے کے بعد اسی نتیجے تک پہنچتا ہے کہ تہذیبوں کا تصادم ہو رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"جدیدیت نے مغرب میں جنم لیا ہے۔ یہ ماضی سے ایک انقلابی طور پر انحراف تھا۔ ماضی کی دنیا یعنی قرون وسطی کی دنیا مذہبی تشریح کے حصار میں تھی۔ وہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس پر مذہبی فلسفہ غالب تھا۔ جاگیرداری کا قانون حکمران تھا۔ ایک زرعی معیشت تھی۔ اس زمین سے نشاۃ ثانیہ اور روشن خیالی نے ایک یکسر نئی اور سائنسی بنیاد اٹھائی۔ یہ ایک نیا معاشرہ تھا۔ انفرادیت کا معاشرہ اور صنعتی سرمایہ داری کا معاشرہ۔ جب ہم اسلامی دہشت گردی کا وسیع تناظر میں جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ جدیدیت سے نفرت اس کی بنیاد ہے۔

اس معاشرے کی ثقافتی بنیاد، جسے ہم اصولی طور پر بیان کریں تو یہ تھی کہ علم کا ذریعہ یا منبع وحی نہیں ہے بلکہ انسانی عقل کا استدلال ہے اور یہی سچائی کا ذریعہ ہے۔ سائنس فطرت کے سچ ہمارے سامنے لاتی ہے، مذہبی یہ کام نہیں کرتا۔ اس دنیا کا مقصد یہاں خوشی اور کامیابی حاصل کرنا ہے۔ یہاں تکلیف اور رنج اٹھا کے آخرت کی تیاری کوئی معنے نہیں رکھتے ہے۔ یہی اہم ترین قدر ہے۔ اس لیے استدلال کی یہ خاصیت ہونی چاہیے کہ وہ انسانی بہتری اور معاشی وٹیکنالوجی ترقی کا راستہ دکھائے۔ اور یہ کہ ایک فرد اپنی ذات میں خود ایک مقصد ہے اور اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے وہ کوئی غلام یا بچہ نہیں ہے جس پر دوسرے حکم چلائیں۔ یہی وہ فرد ہے جسے سوچنے، بولنے اور عمل کرنے کی آزادیاں حاصل ہیں۔ مذہبی اعتقاد اس کا نجی معاملہ ہے، رواداری ایک معاشرتی معاملہ ہے ریاست اور چرچ الگ الگ ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ مرکز کے قبضے میں موجود ہر معیشت کو مارکیٹ میں تبدیل کریں، تجارتی جنگ کریں اور دنیا پر جمہوریت سے اور حکم سے حکمرانے کریں۔

اس لیے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ہماری تہذیب مسیحی ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہماری اس جدیدیت کے بے شمار ماننے والوں کا یہ آخری مذہب ہے، مغرب آج بھی مسیحیوں کے کلچر کو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ ایک

عقائد کے بارے میں صحیح علم بھی نہیں ہے۔ یہ کسی بھی مسیح کے لیے ایک غلط بات ہے کہ قرآن کا ایسا تعارف پیش کرے جو عالمگیریت متصادم نظر آئے اور ایک عالمگیر تہذیب کی نفی کرتا ہو اور اسلام کے اصولوں کو نظر انداز کردے بالکل اسی طرح جیسے ایک مسلمان کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ انجیل سے کچھ نکالے (مثال کے طور پر سود کی حرمت) اور اس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرے کہ مسیحیت میں صلاحیت نہیں ہے کہ مغرب کی جدید صنعتی زندگی کا ساتھ دے سکے''۔

عالم اسلام میں جدیدیت کے بانی کچھ ایسے لوگ تھے جن کے باعث اسلامی معاشرے میں سیکولرازم آیا۔ ان میں حسن العطّار تھے مصر میں رفاع رافع التّوی، ایران میں سفتل اللہ نوری، سیف آفنڈی، ملائشیا میں مندر احدانیس، ڈاکٹر مہاتیر محمد، لبنان کے امیر شکیب، ارسلان جنوبی یمن کے سطعی الحرثی، ترکی میں فروغ سلیم ثالث، مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک، افغانستان میں جمال افغانی، سوڈان میں ڈاکٹر حسن ترابی، احمد نعیم تیونس میں حسن بے۔ شاکر بے، مراکش میں عبداللہ لاروئی، عراق میں داؤد پاشا، محمد رشاد، مصر میں شیخ محمد عبدہ، انڈونیشیا میں احمد سرکنی، شام میں علامہ طائر لیبیا میں کرنل قذّافی، انڈیا میں وحیدالدین خان، پاکستان میں جاوید احمد غامدی، برّصغیر پاک و ہند میں جلال الدین اکبر، ابوالفضل، فیضی، سرسید احمد خان، غلام احمد قادیانی، اسلم جیراج پوری وغیرہ۔ ۳۰؎

سیکولر حلقوں کا یہ موقف ہے کہ ایک فرد کا ایمان اسکا ذاتی معاملہ ہے۔ اس لیے وہ اپنی ذات میں سچا مسلمان ہوسکتا ہے۔ لیکن اسکے ایمان کے معاشی اور معاشرتی اثرات، معاشی محرکات کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ جب ایک مسلمان اپنے مذہب کو اپنی ذات تک رکھتا ہے تو اس سے زیادہ وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ زیادہ کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔

دیگر ادیان کی طرح اسلام پر بھی حملے کیے گئے اس ضمن میں سب سے شدید حملہ سلمان رشدی کی ''شیطانی آیات'' نے کیا اسلام پر بنیاد پرستی کا الزام لگا اور کہا گیا وہ مابعد جدیدیت کی کتابوں کو برداشت نہیں کرتا''۔

جب مسلمان جدید لادینی ریاستوں میں بسے تو اس کے اثرات ان پر پڑے سلمان یورپی ممالک میں وقتی طور پر گئے تھے مگر اب اپنی دوسری اور تیسری نسل کے ظہور سے وہ ان معاشروں کا حصّہ بن چکے ہیں۔ کئی مغربی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے، لیکن وہاں موجود اکثر خاندانوں کے بچے اپنے دین کی بنیادی باتوں سے بھی لاعلم ہیں اور وہ بالکل غیر مسلموں سی زندگی گزار رہے ہیں مغرب میں بسنے والے مسلم خاندانوں میں والدین اور اولادوں میں رابطے کی شدید کمی ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہے ہماری

مسیحی کلچر ہرگز نہیں ہے۔ یہ ایک سیکولر کلچر ہے۔ اور یہی کلچر ہے جس کی وجہ سے اسلام پسند ہم سے بہت نفرت کرتے ہیں''۔

اس یکطرفہ وکالت کا سوائے اس کے کوئی جواز نہیں ہے کہ یہ استدلال سے بھی محروم ہے جس کی بنیاد پر جدیدیت کی عمارت استوار رہی ہے۔ اسلام نفرت کا دین نہیں ہے۔ اگر ایک تہذیب اپنی جارح تہذیب ہے۔ دنیا کے حالات سے گواہی مل سکتی ہے کہ جارح تہذیب اسلام نہیں ہے بلکہ آج کے دور میں یہ ایک مجروح تہذیب ہے اور یہ ''آج'' گزشتہ تین صدیوں پر محیط ہے۔

اس یکطرفہ نکتہ نظر کے علی الرغم معاملات کو دیکھنے والوں کو یہ احساس ہے کہ جو کچھ کیا جارہا ہے وہ ایک مخصوص سیاسی ایجنڈے اور مفادات کے گرد ہی ہو رہا ہے۔ جن حلقوں اور سوچ بچار کرنے والوں کو یہ واقعی تشویش ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ ان کا انداز فکر مختلف ہے۔ چارلس میک ڈینیل Charles Mc Canniel کا تعلق Baylor University سے ہے۔ چارلس لکھتے ہیں:

''جہاں تک تہذیبی تصادم کے نظریے کا تعلق ہے اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے رویے اور طریقے ایک گلوبل سوسائٹی کے قیام کی راہ میں حائل ہیں۔ یہ نظریہ ان بنیادی اختلافات کے بارے میں مبالغہ سے بات کرتا ہے جو مسلم اور مغربی تہذیب کے درمیان موجود ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ایک ایسی کائنات وکالت سامنے آتے ہے جس سے ذاتی تسکین مطلوب ہے اور یہ وکالت اسلام کو مقابلے پر رکھ کر کی جاتی ہے جس خلیج کو تصور کر لیا گیا ہے کہ یہ گلوبل سوسائٹی اور اسلام کے درمیان حائل ہے۔ اسے تہذیبوں کے درمیان خلیج کے طور پر دیکھا جائے تو پھر اسلام اور باقی دنیا کے درمیان سخت رویوں کو مزید سخت ہی کیا جاسکتا ہے چنانچہ عرب اسرائیل تنازعہ جیسے تنازعات کو تاریخی، سیاسی، اور جغرافیائی حالات میں دیکھا جاسکتا ہے تو مستقبل کے تنازعات کسی وجہ کے بغیر ظہور پذیر ہوتے رہیں گے۔ اسلام اور مغرب کے درمیان موجود غلط فہمیاں کافی ہوں گی کہ وہ نفرت کو آگ بنا دیں اور تنازع بڑھ جائے۔

مغربی سکالروں کی یہ کم کم ذمہ داری ہے کہ وہ عالمگیریت کے بارے میں بالکل صحیح رائے کو سامنے لائیں اور اس کے لیے انہیں اسلامی لیڈروں، سکالروں اور کاروباری شخصیات کے خیالات کا مکمل تجزیہ کرنا ہوگا۔ اسلام اور مغرب کے درمیان کہاں کہاں اختلافات موجود ہیں، ان کا کھوج لگانے کے لیے معاشرتی اور معاشی اعتبار سے اسلامی معاشروں کے اندر موجود رویوں اور نظریات کا جائزہ لینا ہوگا۔ زیادہ مستعد سکالروں کو یہ بھی کرنا ہوگا کہ وہ اسلام کے روائتی تعارف سے اوپر اٹھ کر کام کریں۔ غیر مسلموں نے اسلام کا تصور قرآن یا آیات کے شخصی ترجمے اور تشریح کی بنیاد پر قائم کر رکھا ہے اور انہیں عام طور پر اسلامی

جدید نسل اس مغربی ماحول میں ڈھل جائے جہاں ''مخصوص آزادی'' پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے اندر اتنا زوال بھی آیا کہ مسلم عورتوں نے عیسائیوں سے شادی کیں ۳۲۔

ان اقلیتوں کے مسائل بھی مختلف ہیں۔ جو مسلم اقلیتیں ماضی میں حکمران تھیں اور آج محکوم ہیں جیسے ہندوستان اور فلپائن وغیرہ وہاں مسلمانوں کے خلاف عصبیت کا طوفان ہے اور ماضی محکوم آج خوب بدلے لے رہا ہے۔

آج فرانس کے گاؤں میں دو بچیاں سکارف اوڑھتی ہیں تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کہ اس سے سوشل ڈیموکریسی کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ ہندوستان کے آئین میں یہ بات موجود ہے جو ہندوستان کی قومی وحدت کے لیے ضروری ہے کہ ایک مشترکہ سول کوڈ تمام باشندگان کے لئے مرتب کیا جائے۔ جس میں پرسنل لاء نہ ہندوؤں کا الگ ہو نہ مسلمانوں کا، اور نہ کسی اور گروہ کا۔ بھارت کا سابقہ ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ وہاں جو چیز مشترکہ مقاصد کے نام پر سامنے لائی جاتی ہیں وہ خالص ہندوانہ انداز کی ہوتی ہے اور قوم و وطن کے نام پر مسلمانوں پر تھوپی جاتی ہے اس طرح پوری دنیا میں مسلم اقلیّت بہت دباؤں میں ہے ۳۳۔

پاکستان سیکولرازم کے اثرات:

پاکستان کو ایک سیکولرازم، غیر مذہبی اور لبرل بنانے کے حامی عناصر ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ یہاں ۱۹۷۹ء میں حدود کے قوانین نافذ ہوئے تو ایسے بہت سے لوگوں نے جن میں کئی خواتین شامل تھیں ان پر ایسے ایسے اعتراضات کئے جنکی توقع کسی مسلمان سے ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ انگریزی قانون سے مانوس اور اسلامی تصوّرات سے عقلا نامانوس اور علمی طور پر ناواقف ہونے کی وجہ سے بعض ایسی ایسی باتیں کہی گئیں جنکو سن کر سوائے انا للہ پڑھ لینے کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ حدود کے نفاذ سے قبل پاکستان کے فوجداری قانون میں بدکاری اگر باہمی رضامندی سے ہو تو جرم نہیں تھی۔ اگر بدکاری کے مرتکبین شادی شدہ بھی ہوں اور متعلقہ فریقین کے زوجین کو کوئی اعتراض نہ ہو تو انگریزی شریعت کی رو سے یہ ایک جائز فعل تھا۔ جن صورتوں میں تعزیرات پاکستان نے بدکاری کو جرم قرار دیا بھی تھا وہاں صرف مرد کو مجرم گردانا گیا تھا۔ عورت مجرم نہ تھی۔ جب قانون حدود کی رو سے عورتوں اور مردوں کو بدکاری کی ہر صورت میں مجرم قرار دیا گیا تو مستشرقین اور مستغربین کے حلقوں میں اسکو خواتین کے ساتھ زیادتی قرار دیا گیا۔ اسی طرح کے اعتراضات حدود کے دوسرے قوانین پر بھی کئے گئے۔ عادل گواہوں کی شرائط کی اخباری مضامین میں تضحیک کی گئی۔ سزائے تازیانہ کو انسانیت کی توہین قرار دیا گیا۔ قطع ید کی سزائیں پر عمل درآمد کے سلسلہ میں مضحکہ خیز

اور افسوسناک شبہات اٹھائے گئے۔

یہاں ان سب اعتراضات کو دہرانا ممکن نہیں ہے جو ایک حلقہ کی طرف سے ان قوانین پر کئے گئے۔ لیکن ان سب میں جو بات قدر مشترک تھی وہ یہ تھی کہ یہ اعتراضات کرنے والوں میں ہمارے ملک کے سیکولر طبقہ کے ساتھ یہاں کے بعض اقلیتی مذہبی لیڈر اور مغربی ذرائع ابلاغ مکمل طور پر ہم آواز تھے۔ ان قوانین کو جس زاویہ نگاہ سے ایک ہندو لیڈر دیکھ رہا تھا اسی زاویہ نگاہ سے ایک مغربی تعلیم یافتہ پاکستانی مسلمان بھی دیکھ رہا تھا ۳۴۔

پاکستان کو ایک اسلامی مملکت قرار دلوانے کے حامی افراد بھی ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ آپ پاکستان کی پہلی مجلس دستور ساز (جو مقننہ بھی تھی) کی شروع کے سالوں کی کاروائیوں کی روداد اور تقریروں کی تفصیل پڑھ کر دیکھیں آپ کو دونوں مکاتب فکر کے علمبردار برسرکار نظر آئیں گے۔ پاکستان کو مذہبی اور اسلامی ریاست بنانے کے حامی حلقوں کو مارچ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد کی منظوری سے بڑی تقویت ملی۔ مولانا مودودیؒ نے اس قرارداد کی منظوری پر کہا ''ریاست پاکستان'' نے آئینی زبان میں کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے اور اب یہ ایک اسلامی ریاست کا درجہ حاصل کر چکی ہے'' اس کے برعکس اول الذکر طبقے نے اس قرارداد کی منظوری کو قائداعظم کے تصور پاکستان کی نفی قرار دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا کہ آج کے دور میں کوئی ریاست صرف سیکولر اور لبرل ہی ہوسکتی ہے۔ یہ تنازع مختلف مراحل سے گزشتہ نصف صدی کے دوران گزرا ہے۔ کبھی ایک مکتبہ فکر کا پلڑہ بھاری ہوتا دکھائی دیا ہے، تو کبھی دوسرے کو کچھ برتری ملی ہے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین میں ریاست کو اسلامی قرار دیا گیا اور اس غرض سے بہت سی دفعات آئین میں شامل کی گئیں۔

ایوب خان نے اپنے آئین ۱۹۶۲ء میں اکثر و بیشتر اسلامی دفعات تو برقرار رکھیں لیکن ملک کا نام اسلامی جمہوریہ رکھنے کی بجائے صرف جمہوریہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن مزاحمت ہونے پر انہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔ یہ کشمکش بعد کے ادوار میں بھی جاری رہی۔ بھٹو سیکولر اور لبرل ہونے کے دعوے دار تھے لیکن انہوں نے بھی جماعت کے نعروں میں ''اسلام ہمارا دین ہے'' کا نعرہ بھی کافی دیر بعد شامل کر لیا۔ انہوں نے مذہبی حلقے کے یلغار روکنے کے لئے اپنے فلسفے کو اسلامی سوشلزم کا نام دیا جیسا کہ معلوم ہے پی این اے کی تحریک کے دوران بھٹو نے اسکا حملہ کند کرکے کے لیے بعض اسلامی اقدامات کا اعلان بھی کیا۔ اس اعلان سے پی این اے کا زور نہ توڑا جاسکا۔

مرحوم جنرل ضیاء الحق کا دور بدیہی طور پر پاکستان کو ایک مذہبی ریاست بنانے کے لئے وقف رہا اس زمانے میں اگرچہ سیکولر اور لبرل قوتیں بوجوہ کافی کمزور ہوگئیں لیکن کسی نہ کسی شکل میں بہرحال موجود

رہیں۔

جونیجوؒ صاحب نے جنکا تین سالہ اقتدار جنرل ضیاء الحق کے سائے کے نیچے جاری رہا مذکورہ تنازعے کے حوالے سے اپنا وزن کسی ایک یا دوسرے طرف نمایاں طور نہ ڈالا۔محترمہ بے نظیر کی ہمدردیاں تو سیکولر اور لبرل قوتوں کے ساتھ تھیں لیکن دونوں ادوار میں انکی حکومت اتنی کمزور تھی کہ انہوں نے ''سٹیٹس'' کو برقرار رکھنے میں ہی عافیت جانی۔البتہ نواز شریف نے اپنے اقتدار کے زمانے میں پاکستان کو مذہبی ریاست بنانے کی کوشش کی جو سینٹ سے پندرھویں ترمیم کی عدم منظوری کے باعث کامیاب نہ ہوسکی۔

جنرل پرویز مشرف ایک سیکولر اور لبرل حکمران کے طور پر سامنے آئے۔انکی پہلی تصویر جو عالمی پریس میں چھپی اس میں انہوں نے اپنی دونوں بغلوں میں کتّے اٹھا رکھے تھے۔نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ میر آئیڈیل مصطفیٰ کمال پاشا ہیں۔لیکن وقت کی مصلحت نے انکے جوشِ فضول کی آنچ ہلکی کر دی اور انہوں نے اس قسم کے بیانات سے پرہیز کرنا شروع کیا۔لیکن کبھی کبھی انکے نظریات واضح ہو جاتے ہیں۔جس میں انکا حدود آرڈیننس پر نظر ثانی کا بیان بھی ہے۔اور وقتاً فوقتاً کیے جانے والے اقدامات بھی ہیں ۳۵۔

اسلام

انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ''بندگی رب'' ہے ﴿**وماخلقت الجن والانس الالیعبدون**﴾ الذاریات ۵۶۔اس کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہر حال میں اپنے رب کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے ﴿**قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین**﴾ الانعام ۱۶۲)اس کے پیشِ نظر انسان کو زمین پر خلافتِ الٰہی کی خلعت سے نوازا گیا۔﴿...**انی جاعل فی الارض خلیفة**﴾ البقرہ ۳۰۔ اشرف المخلوقات کا مرتبہ عطا کر کے بحر و برّ پر حکمرانی عطا کی گئی۔﴿**ولقد کرّمنا بنی آدم وحملناهم فی البرّ والبحر ورزقناهم من الطیّبات وفضّلناهم علی کثیر ممّن خلقنا تفضیلا**﴾ بنی اسرائیل ۷۰۔

ارض و سماء کی ساری قوتوں کو اس کی خدمت کے لیے مسخّر کر دیا گیا ﴿**الم تروا ان الله سخرلکم مافی السموات ومافی الارض**﴾ لقمان ۲۰۔

اس حقیقت کو گہرے شعور و ادراک کے ساتھ قبول کر لینے والوں کو مسلم و مؤمن کا خطاب دیا گیا۔ایسے اہلِ ایمان سے انکی حقیقی حاکم رب کائنات کا اوّلین اور بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ کسی تحفظ اور استثناء کے بغیر اپنی پوری زندگی کو عملاً بندگی رب کی صورت میں اسلام کے تحت لے آؤ۔تمہارے خیالات، تمہارے

نظریات، تمہارے علوم وفنون، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاشرتی ومعاشی وسیاسی معاملات اور تمہاری سعی وجہد کے راستے سب کے سب بالکل سراپا تابع اسلام ہوں ﴿یا ایھا الذین ادخلوا فی السلم کافّۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ البقرہ ۲۰۸۔

ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصّوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔ کہ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلّت ورسوائی اور آخرت میں سخت ترین عذاب ہے ﴿**افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الاخزی فی الحیاۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب**﴾ البقرہ ۸۵۔ بلکہ اپنی پوری زندگی کو ''بندگی رب'' کے رنگ میں رنگ لو، کہ اس سے بڑھ کر کوئی رنگ پائیدار اور خوبصورت نہیں ہے۔ ﴿**صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون**﴾ البقرہ ۱۳۸۔ تمام مراسم عبودیت، جینا اور مرنا سب اسی کی خاطر ہو ﴿**قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین**﴾ الانعام ۱۶۲) گویا خالق کائنات نے بنی نوع انسان سے یوں کہہ دیا کہ یہ سارا جہاں تیرے لیے ہے اور تو میرے لیے ہے ''لہٰذا تو بچا بچا کے نہ رکھا اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں''، اس لئے کہ اللہ نے تمہاری جانیں اور تمہارے مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ اب تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں جس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکو۔ ﴿**ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنّۃ**﴾ التوبہ ۱۱۱۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح ودرست ہے'' ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ آل عمران ۱۹۔

اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا مالک ومعبود تسلیم کرے اور اس کی بندگی وغلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کر دے اور اس کی بندگی بجالانے کا طریقہ خود نہ ایجاد کرے۔ بلکہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے جو ہدایت بھیجی ہے ہر کمی وبیشی کے بغیر اس کی پیروی کرے۔ اسی طرز فکر وعمل کا نام ''اسلام'' ہے اور یہ بات سراسر بجا ہے کہ کائنات کا خالق ومالک اپنی مخلوق اور رعیت کے لیے اسلام کے سوا کسی دوسرے طرز عمل کو جائز تسلیم نہ کرے ﴿الا لہ الخلق والامر﴾ الاعراف، آدمی اپنی حماقت سے اپنے آپ کو دہریت وسیکولرازم سے لیکر بت پرستی تک ہر نظریے اور ہر مسلک کی پیروی کا جائز حق دار سمجھ سکتا ہے۔ مگر فرماں روائے کائنات کی نگاہ میں تو یہ نری بغاوت ہے۔

﴿ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین﴾ آل عمران ۸۵۔

ایک مسلمان جوفکری طور پر اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے، اسلامی شریعت کو آخری الہامی نظام سمجھتا ہے اور موجودہ دور میں اسلام کے تقاضوں کے مطابق زندگی کی تشکیل نو چاہتا ہے تو ایسا شخص لازمی طور پر چاہے وہ کسی بھی خطّہ زمین سے تعلق رکھتا ہو، مذہب کو بہر حال ضروری سمجھتا ہے بلاشبہ اسلام میں فرد کی تربیت اور کردار سازی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ہر فرد اپنے عمل کا خود جواب دہ ہے۔ آج بہت سے مغرب زدہ مسلمان مفکرین جب اسلام میں اس طرح کے انفرادی احکام دیکھتے ہیں تو وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی یہ انفرادیت دوسرے مذاہب کی طرح ہے۔تو اسلام کی تعبیر وہ سیکولرازم سے کرنے لگتے ہیں۔ ایسے افراد یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام میں انفرادی احکام کے علاوہ اور بھی ذمّہ داریاں ہیں۔اسلام میں دیوانی قوانین بھی ہیں، فوجداری بھی، دستوری اصول بھی ہیں، بین الاقوامی قوانین بھی ہیں۔اور ان تمام پر عمل درآمد کے لئے ریاست اور اسلامی حکومت کی بھی ضرورت ہے۔

خلاصہ بحث:

سیکولرازم دور حاضر کا وہ بڑا فتنہ جس نے تقریبا تمام مذاہب کو متاثر کیا۔اور مسلمانوں کی غفلت اسے اسلامی مملکتوں میں بھی لے آئی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کو بھی سیکولرازم کی ضرورت ہے؟، ڈاکٹر محمود احمد غازی اسکا بہت خوبصورت جواب دیتے ہیں:

''اسلام کو کسی سیکولرازم کی ضرورت نہیں۔اسلام میں مزاجا اور طبعا کسی انتہاء پسندی کی گنجائش نہیں (بشرطیکہ اسلامی تعلیمات مکمل ہوں) اسلامی فقہ میں دونوں طرح کے احکام موجود ہیں۔وہ بھی صرف فرد کے کرنے کے ہیں۔اور وہ بھی جن میں ریاست کو مداخلت کرنے کا حق ہے۔بعض معاملات کا فیصلہ قضاءا ہوتا ہے اور بعض کا دیانتا اور بعض کا دونوں اعتبار سے۔

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں، یعنی فی مابینہ وبین اللہ اور معاملات وہ ہوتے ہیں جو آپس میں صرف بندوں کے درمیان ہوتے ہیں فی مابینہ وبین الناس۔ آپ فقہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو پتا چلے گا کہ بیسیوں مسائل ایسے ہیں کہ جنکا فیصلہ ایک انسان خود کرتا ہے اور کسی اور شخص کو اس میں مداخلت کا حق دے دیا جائے تو اس سے وہی مسائل پیدا ہوں گے جو ہندوؤں میں ہوئے، عیسائیوں میں پیدا ہوئے، دوسری اقوام میں پیدا ہوئے۔اس لئے ایسے معاملات میں کسی اور شخص کو مداخلت کی اجازت نہیں ہوتی'' ۳۶۔

علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہ آباد میں اس سوال کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے کہ ''اسلام میں کسی

لوتھر کے ظہور کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ علامہ نے فرمایا اسلام کا مزاج ایسا ہے کہ وہ خود بخود بدلتے ہوئے حالات کو اپنے اندر سموتا رہتا ہے اور اس میں ایسا بڑا اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں جس کے ردِعمل کے طور پر پروٹسٹنٹ انداز کی کوئی تحریک مسلمانوں میں پیدا ہو" ۔ نہ ہی اسلام میں اسکی گنجائش ہے ۔ ۳۷۔

آج پوری ملت اسلامیہ ہر سمت سے اندرونی اور بیرونی چیلنجوں اور خطرات کا نشانہ بنی ہوئی ہے اور اس کا سینہ اپنوں اور غیروں کے تیروں سے چھلنی ہے اسلام کی حفاظت کا بیڑا تو اس کے وحی کرنے والے نے اٹھا رکھا ہے اگر ایک قوم اس کا حق ادا کرنے میں ناکام رہتی ہے تو وہ قادر ہے کہ دوسری قوموں کو اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے آگے بڑھادے جس طرح وہ ماضی میں کرتا رہا ہے ﴿وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم﴾ سورہ محمد آیت ﴿**فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لائم**﴾ المائدہ آیت ۔

اس کی ایک تابناک مثال کی طرف اقبال نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

ہے عیاں یورش تاتار   کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے   کو صنم خانے سے

لیکن اصل مسئلہ اسلام کی بقاء کا نہیں بحثیت قوم اور امت ہماری بقاء اور ترقی کا ہے تمام اہل ایمان اور اصحاب بصیرت کی ذمہ داری ہے کہ ان چیلنجوں اور خطرات کا صحیح صحیح ادراک کریں جن کی زد میں ہمارا قومی اور ملّی وجود ہے اور امّت مسلمہ کو بیدار، منظّم اور متحرّک کرنے کی سعی وجہد کریں ۔ تا کہ ان چیلنجوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا جاسکے ۔

حوالہ جات

۱۔ پاکستانیت اور جمہوریت کے درست زاویے، اسلم میر، ص ۳۱۱، پاکستان فورم اسلام آباد ۱۹۹۶ء۔

۲۔ سیکولرازم اصول ومبادی، تاریخ وتنقید، ڈاکٹر گجر کشمیری، ص ۳۶۔۳۹، ادارہ ترجمان القرآن۔جنوری ۱۹۸۲ء

۳۔ حوالہ سابق۔

۴۔ حوالہ سابق۔

۵۔ خطبات بہاولپور (۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۴۲۔۴۳ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۹۹۷ء

۶۔ سیکولرازم اصول ومبادی تاریخ وتنقید ڈاکٹر گجر کشمیری، ص ۳۶۔۳۹۔

۷۔ حوالہ سابق۔

۸۔ حوالہ سابق۔

۹۔ حوالہ سابق۔

۱۰۔ پاکستانیت اور جمہوریت کے درست زاویے، اسلم میر، ص ۳۱۱

۱۱۔ مذہب اور جدید چیلنج مولانا وحید الدین خان ص ۱۳، ۲۳۔ دار التذکیر ۲۰۰۳ء

۱۲۔ حوالہ سابق۔

۱۳۔ حوالہ سابق۔

۱۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ، دہریہ، ص ۴۸۲۔۴۸۷، ادارہ معارف اسلامیہ

۱۵۔ مغربی تہذیب، مرزا محمد الیاس، ص ۵۰۔۵۶ آئین، شرکت پرنٹنگ پریس، اپریل ۲۰۰۵ء۔

۱۶۔ مذہب اور جدید چیلنج مولانا وحید الدین خان ص ۱۹۔

۱۷۔ سیکولرازم۔۔۔ڈاکٹر گجر کشمیری ص ۳۹۔

۱۸۔ مغربی تہذیب ''آئین'' مرزا محمد الیاس ص ۸۵، شرکت پرنٹنگ پریس جون ۲۰۰۵ء

۱۹۔ سیکولرازم۔۔۔ڈاکٹر گجر کاشمیری ص ۱۴۱۔

۲۰۔ مغربی تہذیب ''آئین'' مرزا محمد الیاس ص ۱۳۲۔

۲۱۔ مغربی تہذیب ''آئین'' مرزا محمد الیاس ص ۵۳۔

۲۲۔ پاکستانیت اور جمہوریت کے درست زاویے، اسلم میر، ص ۳۱۰ تا ۳۱۲۔

۲۳۔ حوالہ سابق۔

۲۴۔ حوالہ سابق۔

۲۵۔ مغربی تہذیب ''آئین'' مرزا محمد الیاس ص ۸۸ جون

۲۶۔ مغربی تہذیب ''آئین'' مرزا محمد الیاس ص ۹۹۔

۲۷۔ حوالہ سابق ص ۱۲۶۔

۲۸۔ حوالہ سابق ص ۱۴۱۔

۲۹۔ حوالہ سابق ص ۱۴۱ (جون)

۳۰۔ حوالہ سابق ص ۱۶۹ (اپریل)

۳۱۔ حوالہ سابق ص ۹۹ (جون)

۳۲۔ یورپی مسلم خاندان، محمد ظہیر الدین بھٹی ص ۶۳، ادارہ ترجمان القرآن۔

۳۳۔ خطبات بہاولپور (۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۴۰۲۔

۳۴۔ خطبات بہاولپور (۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۴۰۳۔

۳۵۔ خطبات بہاولپور (۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۴۰۳۔

۳۶۔ حوالہ سابق۔

۳۷۔ حوالہ سابق۔

۳۸۔ تفہیم القرآن مودودی ابوالاعلیٰ ۲۳۸/۱، ۲۳۹ ادارہ ترجمان القرآن۔